ڈاکٹر انوار احمد

نمائندہ معاصرین پر فراقؔ کی تنقید

ادبی تنقید کا منشاء اپنے زعمِ علم سے ایک محدود حلقۂ اثر کو محدود تر کرنا نہیں، یہ نہ تفریظ ہے اور نہ تنقیص، اسی طرح یہ کسی شاعر یا ادیب کے ان تھک تعاقب کے سامنے بے بس ہو کر کتابوں کی 'کتبہ نویسی' بھی نہیں، جسے عرف عام میں فلیپ نگاری کہتے ہیں اور نہ ہی طاقتوروں کے ڈسکورس یا فرمانِ امروز کی صدائے بازگشت ہے بلکہ یہ تو کسی تہذیب، کسی عہد اور اس میں تخلیق ہونے والی اور تخلیق کو ترسنے والی ذہنی اور حسی ترنگ کی روح میں اتر کر اپنی بصیرت کے برملا اظہار کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ اس منصب تک پہنچنے کے لیے نقاد اپنے ذوق ادب اور استعداد ذہنی کی آبیاری کے لیے دنیا بھر میں بہترین انداز میں سوچے گئے اور تخلیق کیے گئے علم وفن سے اپنا ذہنی اور وجدانی رشتہ قائم کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اعلیٰ تخلیقی سرگرمی سے متصادم اور اس کی راہ میں مزاحم قوتوں کے طریق کار سے آگہی بھی پیدا کرتا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھیں تو فراقؔ گورکھپوری اردو کے ایک بہت بڑے اور اثر آفریں نقاد ہیں۔

یہ بات اپنی جگہ اہمیت تو رکھتی ہے کہ فراق گورکھپوری نے اردو کلاسیکی شاعری کی تحسین کا ذوق پیدا کیا، اردو غزل کا دفاع کیا، نمائندہ غزل گویوں پر تخلیقی تنقید کی، مغربی تنقیدی اصطلاحات کا بے ساختہ اور بلیغ ترجمہ کیا جیسے "Vision" کا کشفی پیکر یا "Illusion" کا خوشگوار فریب "Platitudes" کا پنچایتی خیالات، "Unpromising" کا امید نا افزا وغیرہ، اردو تنقید کو نا صرف نئی اصطلاحیں دیں بلکہ انہیں وضع کرنے کا اپنی تہذیب اور محسوسات سے ہم آہنگ اسلوب بھی دیا، جس کی نمایاں مثالیں ''چٹیلی مسکراہٹ''، ''نٹ کھٹ تخیل''، ''دبی ہوئی تلملاہٹ''، ''چلبلا تصنع'' وغیرہ اسی طرح اس

Scanned by CamScanner

بات کی بھی اہمیت ہے کہ انگریزی ادبیات کے مطالعے اور والہانہ تدریس کے سبب انھوں نے اردو تنقید کو درجہ بندی کے معیار اور اصول سے بھی آشنا کیا، مگر کیا یہ سب کچھ غیر معمولی ہے؟ کیا یہ دنیائے تنقید میں ان کا وہ حقیقی سرمایا ہے جو، ان کی عظیم شخصیت کی فکری اور تخلیقی عظمت سے مطابقت رکھتا ہے؟

اردو تنقید سے متعلق ان کی چھ کتابوں اور جستہ جستہ مضامین اور مکالمات کا ذکر کیا جاتا ہے، 'اردو غزل گوئی'، 'اردو کی عشقیہ شاعری'، 'حاشیے'، 'انداز ے'، 'من آنم' اور 'ہمارا سب سے بڑا دشمن'۔ ان کے علاوہ چکبست، حفیظ جالندھری، ریاض خیر آبادی، رنگ بہادر لعل جگر، ناسخ، مجنوں گورکھپوری، ٹیگور اور اقبال سے متعلق ان کے مضامین شمیم حنفی اور سمت پرشاد شوق کو دیے گئے چند انٹرویو۔

ان کے تصورات ادب و تنقید کو سمجھنے کے لیے مناسب ہوگا کہ مذکورہ کتب اور مضامین میں سے چند اقتباسات پیش کر دیے جائیں:

> ''تنقید محض رائے دینا یا میکانکی طور پر زبان اور فن سے متعلق خارجی امور کی فہرست مرتب کرنا نہیں ہے، بلکہ شاعر کے وجدانی شعور کے بھید کھولنا ہے، ناقد کو احساسات اور بصیرتیں پیش کرنا چاہیے نہ کہ رائیں''

('انداز ے'، ہندوستانی پبلیشنگ ہاؤس، الہ آباد۔ طبع اول۔ ص ۱۴)

> ''غم انگیز وجدان میں تنوع کے اتنے امکانات نہیں ہوتے، جتنے نشاط آمیز وجدان میں ہوتے ہیں''

(ایضاً۔ ص ۴۷)

> ''میرا یہ عقیدہ رہا ہے کہ عشقیہ شاعری کرنے کے لیے محض دل و دماغ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ایسے دل و دماغ کی ضرورت ہے جسے کلچر نے رچایا اور سجایا ہو، یہاں اکتساب معنی کی نسبت

اکتساب تہذیب کی ضرورت زیادہ ہے''

(خود منتخب مجموعے 'مشعل' کا دیباچہ، جہان فراق از تاج سعید، سنگ میل، لاہور، ۱۹۹۱ء۔ ص ۵۰)

''کمزور شاعری خواہ اسے کتنا ہی رچایا اور سنوارا جائے، خط و خال اور شخصیت سے محروم رہتی ہے''

('من آنم'، فروغ اردو، لاہور، ۱۹۶۲۔ ص ۴۴)

''کسی شاعر کے اشعار کا مطلب سمجھنا اتنا مشکل نہیں، جتنا کسی شاعر کی شاعری کا مطلب سمجھنا''

('اندازے'۔ ص ۱۵)

''شاعری وہ چیز نہیں، جسے سن کر محض دلدادگان فن جھوم اٹھیں، بلکہ شاعری وہ چیز ہے، جو انسانیت کے پیشواؤں کو وجد میں لائے''

('جہان فراق'۔ ص ۵۱)

''سماج کے دل و دماغ پر کچھ خیالات و معتقدات تیرتے رہتے ہیں، ان کو ہم پنچایتی چیزیں کہتے ہیں..... ذوق پنچایتی خیالات کو پیش کرتے ہیں''

('اندازے'، ص ۱۰۶)

میں اپنے اصل سوال کی جانب پھر پلٹتا ہوں کہ فراق گورکھپوری کی تنقید کے غیر معمولی عناصر کیا ہیں؟ جن میں مجنوں گورکھپوری اور نیاز فتح پوری کا نام نمایاں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ خود شاعر ہونے کے باوجود اردو شعری روایت کے عظیم شاعروں کے ساتھ ساتھ اپنے معاصر شعراء کے کلام اور ان کے تخلیقی جوہر اور مزاج کے لیے تحسین و توصیف کا پیرایہ اختیار کیا ہے، تیسری بات یہ ہے کہ ترقی پسند یا بقول مجنوں پیش قدم تحریک

Scanned by CamScanner

وابستگی کے باوجود کلاسیکی ادب کی عظمت اور جمالیاتی اقدار اور ایک تہذیب میں پروان چڑھنے والے محسوسات کی وقعت کا اعتراف کر کے ترقی پسند ادبی مؤقف کو توازن عطا کیا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایک سیکولر عالم اور تخلیق کار کے طور پر ہندوستان کی تہذیبی روح کے تعین، اس تہذیب کے جمالیاتی احساس کو رفعت اور تنوع سے آشنا کرانے میں مسلمانوں کے کردار اور ہند مسلم کلچر کی عظیم نشانی اردو زبان کے پرجوش وکیل کے طور پر زندگی کی آخری سانس تک اپنے نقطۂ نظر یعنی دیانت فکر کو پوری بے باکی سے ادا کیا۔

ویسے تو معاصر کی اصطلاح بھی متعین اور محدود نہیں کہ بعض تخلیق کار اپنی معاصرت کے لیے اپنی زمین اور زماں سے آزاد ہو کر بھی انتخاب کر سکتے ہیں، تاہم میں نے مناسب خیال کیا ہے کہ جوش اور اقبال سے متعلق فراق کی تنقید معاصرین پر ان کی تنقید کی مثال کے طور پر پیش کی جائے۔

جوش اور فراق میں بہت سے مشاغل اور اسالیب حیات کا اشتراک تھا، دونوں نے عمر بھی تقریباً ایک جیسی پائی، ان کے مابین ربط وضبط بھی بہت تھا اور دونوں نے ایک دوسرے کے لیے اسمائے صفات کے استعمال میں فراخ دلی اور گرم جوشی سے بھی کام لیا ہے، مگر دونوں کے مابین ایک فاصلہ بھی تھا، جسے محض رقابت سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا، جوش نے 'یادوں کی برات' میں فراق سے متعلق لکھا:

> ''نہایت استعجاب آمیز قلق کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان کا اپنی رفیقۂ حیات سے جو برتاؤ ہے، وہ سینۂ انسانیت کا ایک ہولناک گھاؤ ہے اور ان کے شدائد سے تنگ آ کر ان کا بیٹا خودکشی کر چکا ہے''

(مکتبہ شعر وادب، لاہور، مئی ۱۹۷۸ء۔ ص ۴۷، ۵۴۶)

فراق گورکھپوری نے شمیم حنفی کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

''جوش کی شاعری کی اسپرٹ اور ان کے وجدان کے اجزائے

ترکیبی سراسر ہندوستان کے حقیقی اور داخلی ترین تہذیبی عناصر کی
ترجمانی نہیں کرتے، پھر بھی اس امر سے قطع نظر ان کے کلام کا
چوتھائی حصہ اور یہ چوتھائی حصہ بھی سات آٹھ ہزار اشعار سے
کم پر مشتمل نہیں ہے، اردو کے بہت سے دواوین پر بھاری ہے،
کاش ان کا کلام پر جوش ہونے کے ساتھ ساتھ اتنا ہی خاموش
بھی ہوتا، بلند ہونے کے ساتھ ساتھ اتنا ہی گہرا بھی ہوتا، جو
عظیم ترین ادب کی خصوصیات ہیں..... لیکن جوش کے بغیر
۱۹۲۵ء سے لے کر ۱۹۴۵ء تک کی اردو شاعری کا تصور بھی نہیں
کیا جا سکتا''

('فراق شاعر اور شخص'، ترتیب و انتخاب شمیم حنفی، بک ٹریڈرز، لاہور، ۱۹۸۳ء۔ ص ۲۱۰)

اس سے پہلے وہ صہبا لکھنوی کی اس فرمائش کے جواب میں کہ 'افکار' کے جوش نمبر کے لیے کچھ لکھیں ۲۳ مارچ ۱۹۶۱ء کے ایک مکتوب میں لکھ چکے تھے:

''جوش کو میں شاعر اعظم مانتا ہوں اور اپنا جگری دوست بھی
سمجھتا ہوں، لیکن بہت سے نہایت ناخوشگوار اثرات بھی انہوں
نے مجھ پر پیدا کر دیے ہیں اور یہ اثرات ۱۶ یا ۱۷ برس سے اب
تک پیدا ہو چلے ہیں، ان سب کی مدلل وضاحت کروں تو میرا
مدحیہ مضمون بھی میرے دوست جوش کے حق میں شاید اچھا نہ
ثابت ہو''

('افکار'، جوش نمبر، ص ۴۷۸)

فراق گورکھپوری کی کتاب 'اردو غزل گوئی' دراصل جواب ہے جوش ملیح آبادی کے رسالے ماہنامہ 'کلیم' دہلی میں مئی ۱۹۳۶ء کے شمارے میں نقاد کے قلمی نام سے شائع ہونے والے ایک ایسے مضمون کا جس میں صنف غزل اور اردو غزل گویوں کے لیے ہجویہ

Scanned by CamScanner

پیرایہ اختیار کیا گیا تھا اور یہ جوابی مقالہ جولائی ۱۹۳۷ء کے 'نگار' میں نیاز فتح پوری کے تبصرے کے ساتھ شائع ہوا۔ فراق کو بھی احساس تھا کہ نقاد کے پردے میں جوش ملیح آبادی خود ہیں، سوانہوں نے یہ لکھا:

> ''کچھ دن ہوئے حضرت جوش نے اپنے نام سے غزل گوئی کے خلاف ایک مضمون سپرد قلم کیا تھا، جو 'کلیم' ہی میں نکلا تھا، اس میں اور حضرت نقاد کے مضمون میں غیر معمولی مشابہت ہے، دونوں میں زور بیان کا تنہا سہارا گالیاں ہیں''

(اردو غزل گوئی، ادارۂ فروغ اردو، لاہور، ۱۹۵۵ء۔ ص ۱۲۴)

اس کے علاوہ جوش اور فراق دونوں میں بعض باہمی بدمزگیوں کا ذکر بھی کیا ہے، جنہیں شام ڈھلے کے مشغلے سے منسوب کیا جا سکتا ہے، فراق کی رباعی گوئی کو بھی جوش سے خفگی یا مسابقت کے جذبے سے مغلوبیت کا کرشمہ کہا جا سکتا ہے۔

اس طرح ۹۷۔۱۹۹۶ء میں فراق صدی تقریبات کے حوالے سے جو کتاب 'شاعرِ ہند۔ رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری' کے عنوان سے فاروق ارگلی نے مرتب کی، اس میں جوش کے نام فراق کا ایک تاریخی خط ہے، جو ۲ جنوری ۱۹۷۵ء کو لکھا گیا، جس میں جوش کے مسلک، عملی ذہانت اور خواب گھڑنے کی صلاحیت پر تبصرہ کیا گیا ہے، جوش نے دعویٰ کیا تھا کہ خواب میں حضرت علی مرتضیٰؓ بنفس نفیس ان کی جانب آئے اور کہا ''جاؤ جوش، بلندیاں تمہارا انتظار کر رہی ہیں'' ☆

☆ جوش کی خودنوشت میں یہ دعویٰ موجود نہیں، غالباً یہ دعویٰ ریڈیو کے لیے جوش کے ایک طویل انٹرویو میں کیا گیا، جس کے لیے ان سے وعدہ کیا گیا تھا کہ بعد از مرگ نشر کیا جائے گا مگر بعض 'نومسلموں' نے اسے شائع کر دیا، جس کے نتیجے میں جوش کو معاشی، ذہنی اور جذباتی کوفت سے گذرنا پڑا۔ فراق کے اس مکتوب کے آغاز میں یہی حوالہ موجود ہے، ''تمہارا ایک جو خفیہ انٹرویو تھا یعنی اس کو تمہارے مرنے کے بعد شائع ہونا چاہیے تھا مگر تمہارے حاشیہ برداروں نے اس کو قبل از وقت شائع کر دیا راز فاش کر دیا اور تمہارے اوپر عتاب نازل ہونے لگے''

(شاعر ہند، ص ۲۱۰)

Scanned by CamScanner

فراق نے مذکورہ مکتوب میں لکھا 'پیارے جوش' حضرت علیؓ نے صرف تمہاری بلندیوں کے بارے میں فرمایا، لیکن دین کی راہ پر چلنے کی کوئی تلقین نہیں فرمائی، نہ شراب نوشی کو منع کیا، نہ نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی (ص ۲۱۲) اسی مکتوب میں اقبال کا حوالہ بھی دو مقامات پر آیا، فراق نے لکھا:

''تم اقبال کو برا کہہ کر اقبال سے بلند ہونے کی کوشش نہ کرو..... وقت کی کسوٹی نے جتنا کھرا تم کو مان لیا ہے، اس کو کھوٹا نہ کرو، پچھلے حالات و خیالات کی تلافی اس صورت سے ہوسکتی ہے کہ یا تو تم توبہ کرلو یا پھر خدائی کا دعویٰ کر دو''

(ص ۲۱۴)

اقبال کے بارے میں بھی لکھا:

''وہ ملت کی شاعری اگر نہ کرتے تو عظیم شاعر ہوتے، لیکن ملت کی شاعری پر میں نے تنقید نہیں کی، کیونکہ میں اسلامی مسائل سے نابلد ہوں، اور اگر واقف بھی ہوتا تو مجھے اس کا حق نہیں کہ کسی کے دینی معاملات میں دخل دوں'' (ص ۲۱۰)

حالانکہ ایسا نہیں ہے فراق گورکھپوری نے اقبال کے فکری مؤقف سے برملا اختلاف کیا ہے، اقبال ان سے ۱۹ برس سینئر تھے اور فراق سے ۴۴ برس پہلے وفات پا کر اور سینئر ہو گئے، تاہم اقبال ایک شاعر کا نام نہیں بلکہ بیسویں صدی کے برصغیر میں ایک طرز عمل اور تعبیر تاریخ اور اسلوبِ حیات کا بھی نام ہے۔

فراق گھورکھپوری نے اقبال کی فکر اور اسلوب سے جہاں جہاں اختلاف کیا، وہاں بھی اقبال کی بڑائی سے اختلاف نہیں کیا، مگر انہیں یہ احساس ضرور تھا کہ برصغیر میں اقبال کا ملی جوش و خروش ہندوؤں میں بھی ایک ردعمل پیدا کرے گا اور نتیجے میں اس خطے میں نفرت اور ایک دوسرے کو مٹا دینے کی ان مٹ خواہش ایک ایسے تصادم کو جنم دے

Scanned by CamScanner

گی، جسے جمہوریت اور سیکولرازم کا دعویٰ بھی روکنے سے قاصر رہے گا۔

۱۔ ''اقبال کا لب ولہجہ عام طور پر مجھے قدیم ہندوستان کے قیمتی سے قیمتی دین سے لڑائی کرتا ہوا نظر آتا تھا، ہندوستانی تہذیب کی سب سے بڑی خصوصیت نرمی اور قوت کی وحدت ہے نرمی چھوڑ کر جب قوت، پیغام عمل یا ترجمانیٔ حقیقت کی شکل میں نمایاں ہوگی تو وہ قوت ہندوستانی تہذیب کے لیے قابل قبول نہیں رہے گی'' (فراق کی باتیں، 'فراق شاعر اور شخص' ص ۲۰۱)۔

۲۔ ''اقبال کے کلام کا وہ حصہ جس میں مسلم سامراج کے مٹنے کا ماتم ہے، اگر اسے ہم بہت اہم اسلامی ادب سمجھیں، تو واضح رہے کہ یہ اسلامی ادب دنیا کے بلند ترین ادبی مذاق رکھنے والوں کی نظر میں ہرگز قابل قدر چیز نہیں''۔ (''من آنم'، ص ۱۲۶)۔

۳۔ ''اقبال جو اپنی ملت کے لیے تو بے شک زندہ رہیں گے، مگر بڑے ادب یا بین الاقوامی ادب میں ان کا کوئی بڑا درجہ ہوگا؟ (یہ بہت مشکل ہے)'' (جہانِ فراق' سمت پرشاد شوق کو دیا گیا انٹرویو۔ ص ۱۱۴)۔

۴۔ ''اقبال نے یہ نہیں سوچا کہ توحید سمیت جتنے بھی عقیدے ہیں یہاں تک کہ خدا سے منکر ہو جانا، یہ سب عقیدے ایک بنیادی ہم آہنگی رکھتے ہیں''۔ (علامہ اقبال سے متعلق خوش فہمیاں از فراق گورکھپوری 'افکار' کراچی سال ۳۴ شمارہ ۱۰۴۔ نومبر ۱۹۷۸ء، ص ۲۲)۔

۵۔ ''مجھے سر محمد اقبال کی شاعری میں ملت اسلام اور حجازیت کی رٹ پسند نہیں، لیکن موجودہ اسپرٹ اور عمرانیت کے مطالعہ نے نیز پنجاب کی آب وہوا نے حیات کے وہ نئے اور قیمتی عناصر ان کی غزلوں میں بھر دیے ہیں جو دورِ ماضی اور دورِ حاضر کے کسی غزل گو کے یہاں نہیں ملتے''۔ ('اردو غزل گوئی' فروغ اردو لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۵۶۔۵۵)۔

۶۔ ''اقبال کے کلام سے پیدا ہونے والا جوش پاکستان تو بنوا سکتا ہے، لیکن پاکستان کے انتظام کے لیے پاکستان کی اجتماعی زندگی کے اہم جزئیات کے لیے اس کے

Scanned by CamScanner

کلام میں کچھ نہیں ملتا''۔ ('من آنم'، ص ۱۴۵)۔

۷۔ ''اقبال کے ادب کا یہ حصہ محض ایک ملی فاشیت ہے یا بلند آہنگ جنگجوئی ہے''۔ (ایضاً، ص ۱۶۳)۔

۸۔ ''آج تو ہر ملک کے مسلمانوں کو اور غیر مسلمانوں کو بھی کسی غیر مذہبی قوت سے اپنی تقدیر سنوارنا ہے''۔ (ایضاً، ص ۱۶۵)۔

۹۔ ''اقبال جنگ کے نعروں سے دنیا میں صلح کل قائم کرنا چاہتے ہیں''۔ ('علامہ اقبال سے متعلق خوش فہمیاں'، 'افکار' محولہ بالا شمارہ، ص ۲۳)۔

۱۰۔ ''ان کے کلام میں امرت بانی نہیں، نہ معصوم آنسو، جو ہمیں کالی داس، تلسی داس، سور داس، سنتوں اور فقیروں کے کلام میں ملتی ہے..... ان کی روحانیت ایک فکری ورزش ہے، جو معجزہ نہیں بنتی، ان کے کلام میں قوت شفا نہیں ہے، دوڑ دھوپ اور حرکت کے نعرے بھی ہیں، پھر بھی گمراہ کن وقفوں اور منزلوں کے باوجود کچھ انہوں نے کہا ہے، وہ خلوص سے خالی نہیں ہے، نیک دلی سے خالی نہیں اور انسان دوستی سے بھی خالی نہیں ہے۔ (ایضاً، ص ۲۳)۔

فراق کو یہ اعتراض بھی رہا کہ اقبال کے فکر میں اور تخیلیٹی کی کمی ہے ('علامہ اقبال سے متعلق خوش فہمیاں' مگر زیادہ تشویش اسی بات پر تھی کہ نشاۃ الثانیہ کا اقبال کا خواب تسخیر اقوام کی آرزو ہے، جو امپیریلزم کی بنیاد ہے، مگر انہیں ہندوؤں نے جارحانہ قوم پرستی کے تصور سے بھی اتنا ہی اختلاف تھا مگر اس سلسلے میں وہ ایک رومانوی تصور رکھتے تھے۔

''کئی لحاظ سے مجنوں کو اپنے آپ سے ایک بہتر انسان سمجھتا ہوں..... ایک امر میں مجنوں سے میرا کچھ اختلاف بھی ہے، بہت سے ہندوؤں کی تنگ نظری یا تعصب یا مسلم آزادی کا ذکر کرتے ہوئے مجنوں بسا اوقات ہندو قوم سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ یہ مایوسی غالباً ان کی ایک مستقل کیفیت بن چکی ہے۔ میں بھی ہندوؤں کی بہت سی بدتمیزیوں،

Scanned by CamScanner

حماقتوں اور ذلالتوں کا شدید احساس رکھتا ہوں، لیکن میرا عقیدہ یہ ہے کہ ہندو قوم نئے سرے سے مہذب اور متمدن ہوگی اور اپنی کئی لعنتوں سے آزاد ہو جائے گی''۔ (ارمغانِ مجنوں، مرتب صہبا لکھنوی اور شمیم رومانی، مجنوں اکیڈمی، کراچی، اگست ۱۹۸۰ء، ص ۲۵۷)۔

سعادت حسن منٹو، جوش ملیح آبادی، فیض احمد فیض، کرشن چندر اور راجندر سنگھ بیدی کے بعد فراق گورکھپوری اردو تخلیق کاروں میں آخری مؤثر آواز تھی، جو خطے میں نفرت اور بدگمانی کی بڑھتی لہر کے مقابل انسانی ضمیر کی آواز تھی، یوپی میں مہا سبھائی اور راشٹریہ سیوک سنگھی رویے کی روز افزوں پذیرائی کے مقابل فراق گورکھپوری نے کہا تھا:

''جو لوگ اردو نہیں جانتے اور صرف ناگری لپی جانتے ہیں ان کو میں گنوار سمجھتا ہوں، پہلے اردو جان لو، اردو پر پوری قدرت حاصل کر لو، اسی حالت میں تمہیں کھڑی بولی آئے گی''۔

('جہانِ فراق'، ص ۸۸۔۸۷)

☆☆☆

Scanned by CamScanner